Regd. No. L.982

انجمن ترقی اُردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

یوم اشاعت
۱-۸-۱۵-۲۲

جلد ۲۳ - شمارہ ۹	ایڈیٹر - آل احمد سرور	یکم مارچ سنہ ۱۹۶۴ء

اداریہ

مشاعرے اور فلم

ہماری زبان میں نصیر الدین ہاشمی اور خواجہ احمد عباس کے مضامین کے سلسلے میں خاصی بحث رہی ہے۔ مشکل یہ ہے کہ ہمارے یہاں طرفدار بہت ہیں، سخن فہم کم۔ ایک محقق یا نقاد جب تحقیق و تنقید یا علمی کاموں کی ناقدری دیکھتا ہے تو وہ اُردو زبان کے مستقبل سے یا موجودہ دور سے مایوس ہو جاتا ہے۔ ایک ہدایت کار اور صحافی جو ادب میں بھی ایک ممتاز مقام رکھتا ہے، ہر چیز کو فلم اور مشاعرے کے نقطۂ نظر سے دیکھنے کا عادی ہو جاتا ہے اور مشاعروں اور فلموں کی مقبولیت اسے اُردو زبان و ادب کو بام ترقی تک لے جانے کے لئے کافی معلوم ہوتی ہے۔ بحث کا یہ طریقہ ناقص ہے۔ اس سلسلے میں پہلے چند بنیادی باتوں پر غور کرنا چاہیے۔

شعر و ادب تہذیب سے متاثر ہوتے ہیں اور تہذیب پر اقتصادی اور سماجی حالات کا گہرا اثر ہوتا ہے۔ ہندوستان کی آزادی کے بعد اپنی زبانوں اور اپنے ادبیات کی قدر شروع ہوئی ہے مگر یہ قدر ایک خاص تہذیبی اور سماجی ماحول میں ہوئی ہے۔ ملک کے عوام رفتہ رفتہ ہر ادارے پر اثر انداز ہوتے جا رہے ہیں، اُن کی طاقت بڑھ رہی ہے، ملک صنعتی دور میں قدم رکھ رہا ہے، دیہات سے شہر کی طرف میلان ہے۔ کارخانے کھل رہے ہیں۔ ہندوستانی سرمایہ دار قومی سرمایہ بھی بڑھا رہا ہے اور اپنی دولت میں بھی اضافہ کر رہا ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی نہ صرف ہمارے وسائل کو بڑھا رہے ہیں بلکہ ہمارے مزاج پر بھی اثر ڈال رہے ہیں۔ ملک نے سوشلزم کو منزل مقصود قرار دے دیا ہے۔ اس صورت میں ملک کے بہی خواہ، نئی نسلوں کی شخصیت کی تعمیر کے لئے اچھی تعلیم پر زور دیتے ہیں۔ اچھی تعلیم کی بنیاد مادری زبان میں تعلیم پر ہی رکھی جا سکتی ہے۔ مادری زبان میں تعلیم کے علاوہ اب ملک کی کسی جدید زبان اور انگریزی کی تعلیم بھی ضروری سمجھی جاتی ہے اگر اس تصور کو تصویر بنایا جاتا تو اُردو دوستوں کو شکایت نہ ہوتی، مگر واقعہ یہ ہے کہ ریاستی حکومتیں مختلف وجوہات سے جنہیں سب جانتے ہیں، اُردو کے معاملے میں انصاف کا ثبوت نہیں دیتیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ اُردو زبان کا دائرہ جتنا پھیلنا چاہئے تھا نہیں پھیلا۔ ہم سب کی کوشش ہونی چاہئے کہ اس کمی کو دور کرائیں۔ یہ سیاسی سوال ہے اور سیاسی پہلو پر اسے حل کرنا پڑے گا۔ بعض ملک کی اہم سیاسی جماعتوں کو جو بالآخر ہماری قانون ساز جماعتوں پر اثر انداز ہوتی ہیں، اُردو زبان کی تعلیم اور اُس کے چلن کے لئے ہر قسم کی سہولت دینے پر کسی نہ کسی طرح آمادہ کرنا ہوگا۔ اس کام سے فلم اور مشاعرے کا کوئی ٹکراؤ نہیں ہے۔

فلم اور مشاعرے اب ہماری تہذیب کا جزو ہیں۔ یہ ہمارے سماج کے تفریحی مشاغل کا آئینہ ہیں۔ ظاہر ہے کہ تفریح ایسی ہونی چاہئے جو زندگی کی یکسانیت میں کچھ تبدیلی پیدا کرے جس سے ذہن کو تازگی ملے جس سے تفریح کے ساتھ کچھ اچھی قدروں کا احساس ہو کچھ خوابوں کے ذریعہ سے، کچھ حقایق پر نئی نظر ڈال کر بھی ہمیں

اس اشاعت میں

حقایق کی توضیح کا حوصلہ عطا کرے، کبھی ان حقایق کی ہیئت عطا کرے، اور اچھی تفریح کا معیار ہونا چاہئے، مگر کاروبار اس معیار کو نہیں دیکھتا، ہاں بیدار ذہن اس کاروبار میں بھی معیار کا احساس دلا دیتے ہیں۔ وہ تفریح میں بھی کچھ ذہن کی روشنی کا سامان فراہم کر دیتے ہیں، اچھے فلم کم ہوتے ہیں۔ اچھے مشاعرے بھی کم ہوتے ہیں۔ مگر فلموں اور مشاعروں کے ذریعہ سے آپ ایک بڑے حلقے کو کچھ اچھی قدروں کا احساس دے سکتے ہیں، پھر ان کی مخالفت کے کیا معنی، ہاں اس پر اعتراض ضرور کرنا چاہئے کہ فلم یا مشاعرہ جیسے طاقتور تہذیبی ادارے عام طور پر سستی تفریح کو سب کچھ سمجھتے ہیں، اُس کے ذہن پر اچھا اثر ڈالنے، زندگی کے امکانات کو روشن کرنے، گہرے حقایق سے روشناس کرانے، سماج، اخلاق، حسن کے اعلیٰ معیاروں کا احساس دلانے کی صلاحیت سے کام نہیں لیتے اس لئے ہم فلم یا مشاعروں کی اصلاح پر زور دیتے رہے ہیں۔ ان کے اثر سے جو انکار کرتا ہے وہ حقایق سے انکار کرتا ہے۔ ان کا آج کی زندگی میں جو رول ہے وہ مسلّم ہے۔ اس رول سے اب تک ایسا اچھا کام نہیں لیا جا سکا جو لیا جا سکتا تھا گو کچھ لوگوں نے لیا بھی ہے اور ان کی ہمت افزائی بھی ضروری ہے۔ ان کے ذریعہ سے بہرحال اُردو کے الفاظ، اس کی کچھ انسان دوستی کی روایات، اُس کی شیرینی، اُس کے ادب ملک میں پھیلے اور مقبول ہوتے ہیں مگر یہ اُردو کی تعلیم کا بدل نہیں ہو سکتے، اردو میں اعلیٰ تحقیق و تنقید کا ذوق پیدا نہیں کر سکتے۔ اُردو ادب کو ان سے مقبولیت مل سکتی ہے یہ اس کے معیار کو بلند نہیں کر سکتے۔ اس کے لئے زبان کی تعلیم کا بڑے سے بڑے پیمانے پر انتظام ہونا چاہئے۔ پھر اس زبان کی تعلیم کے لئے اچھی کتابیں اور اچھے استاد ہونے چاہئیں، پھر اچھے کتب خانے ہونے چاہئیں، پھر اچھے اخبار اور رسالے ہونے چاہئیں اور ان سب کے فروغ کے لئے ایک اقتصادی ضمانت ہونی چاہئے یعنی یہ مالی اعتبار سے چل سکیں، ہمیشہ دلی میں رہنے کے لئے کھانے کا سوال ضروری ہوتا ہے، اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

اس لئے فلموں اور مشاعروں کی مخالفت غلط ہے۔ ان سے بہت زیادہ توقع قائم کرنا بھی غلط ہے۔ ہاں یہ اُردو کی مقبولیت میں ضرور مدد دیتے ہیں، مگر اس کے ادب کے معیار کو نہیں بڑھاتے بنیادی کام اُردو زبان کی تعلیم کا بڑے پیمانے پر انتظام اور اردو ہونے کا کاروبار کرنے کے لئے یعنی ادیبوں، اخبار نویسوں، ناشروں، کتب فروشوں کے لئے اچھے وسائل کا انتظام کہ وہ اپنی ضروریات زندگی پوری کر سکیں، ہے۔ اُردو دوست اس کی طرف مناسب توجہ نہیں کر رہے ہیں۔ وہ انیسویں صدی کی اُردو زبان اور انیسویں صدی کے اُردو ادب کو بیسویں صدی کی بدلتی ہوئی زندگی میں بدستور باقی رکھنا چاہتے ہیں، مگر اس کے لئے بھی خود کچھ کرنے کے بجائے دوسروں سے توقع رکھتے ہیں۔ طریقۂ تعلیم میں تبدیلی نہیں کریں گے، رسم خط میں کسی قسم کی اصلاح گوارا نہیں کریں گے، ٹائپ سے دور بھاگیں گے، اُردو میں ہندی یا انگریزی کے عام فہم الفاظ آنے نہیں دیں گے، اُردو کو صرف مسلمانوں کی زبان سمجھیں گے، قومی زندگی کے دھارے سے دور رہیں گے، جاگیردارانہ مزاج کو قدر اعلیٰ مانیں گے، دوسری زبانوں کے حامیوں سے رشتہ نہیں جوڑیں گے، خود تعمیری کام نہیں کریں گے، تو زبان و ادب کو فروغ کیسے ہوگا۔ فلم والے اپنی فلم اُردو کی ترقی کے لئے نہیں بناتے، عام طور پر مشاعرہ کرنے والوں کو اُردو ادب کی ترقی سے دلچسپی نہیں ہوتی وہ اُردو کی مقبولیت سے اپنا کام نکالتے ہیں۔ بلاشبہ اس سے کچھ نہ کچھ اُردو کا فائدہ بھی ہوتا ہے۔ اس پر اعتراض کرنا اور اس فائدے کو سب کچھ سمجھنا دونوں غلط ہیں۔ ہماری رائے میں زبان کی مقبولیت اور ترقی کے لئے ہر راستہ ٹھیک ہے، اعلیٰ درجے کا نہ سہی معمولی درجے کا سہی، نیا تاج محل نہیں بن سکتا تو کیا ہم تعمیر چھوڑ دیں۔ رنگ محل بناتے رہیں گے تو اس طرح سے تاج محل کا امکان بھی ہوگا۔ ہم تو جاسوسی ناولوں کے بھی خلاف نہیں ہیں، ان رسالوں کو بھی برا نہیں کہتے جو سستے افسانے اور چٹپٹی غزلیں چھاپتے ہیں۔ ہم ان کے معیار کو بہتر کرنا چاہتے ہیں مگر یہ ضرور کہیں گے کہ زبان کی بنیاد کو مضبوط کرنا، نئے نئے ادیب اور شاعر پیدا کرنا، اُردو میں اچھی کتابیں، اخبار اور رسالے شائع کرنا اور ان سب کے لئے مناسب وسائل مہیا کرنا زیادہ ضروری ہے۔ انجمن اس کا احساس عام کرنا چاہتی ہے، وہ سیاہ اور سفید کی قایل نہیں، اس میلی، مٹیالی دنیا میں وہ ہر ذرے کو آفتاب بنانا چاہتی ہے اور جانتی ہے کہ ہماری اس کائنات کی آبرو ایک ذرّے سے نہیں، بہت سے سیاروں، چاند ستاروں، کہکشاں سبھی سے ہے۔

اُردو ماہنامہ "پونم" حیدرآباد

حیدرآباد سے عنقریب شائع ہونے والے اُردو ماہنامہ "پونم" کے مدیر مسٹر ناصر کرنولی نے اردو کے شاعروں اور ادیبوں سے خواہش کی ہے کہ وہ اپنی غیر مطبوعہ معیاری تخلیقات ذیل کے پتے پر روانہ فرمائیں۔ "پونم" کے صفحات تحقیقی ادبی مضامین، ترجمے، رپورتاژ، افسانے، نظموں اور غزلوں کے لئے مخصوص رہیں گے اور ہر مکتبۂ فکر کے شاعر و ادیب کی معیاری تخلیقات بلا کسی تفریق یا تخصیص کے شکریہ کے ساتھ قبول کی جائیں گی۔

"پونم" کا پہلا شمارہ ۱۴ مارچ کو منظر عام پر آ جائے گا۔

پتہ

دفتر ماہنامہ "پونم" اعظم پورہ حیدرآباد (آندھرا پردیش)

محمد انصار اللہ نظر

نیشاپوری خاندان کے شعرا

قدیم اُردو شعرا نے درباروں کی سرپرستی میں رہ کر زبان و ادب کی جو خدمت کی ہے محتاج بیان نہیں، دہلی اور لکھنؤ کے شاہی درباروں کے علاوہ چھوٹے چھوٹے نوابوں، جاگیرداروں اور رئیسوں نے بھی اس سلسلے میں بڑے نمایاں کام کئے ہیں۔ سطور ذیل میں ہم فیض آباد کے ایک ایسے خاندان کے چند افراد کا ذکر کریں گے جس نے اُردو کے کئی اساتذہ کی سرپرستی کی ہے، مولانا محمد حسین آزاد نے میر حسن خلیق کے سلسلۂ حالات میں اس خاندان کا ذکر کیا ہے:۔

"ہونہار جوان کی جوان طبیعت نے رنگ نکالا تھا کہ قضا الٰہی نے اس کا ہاتھ پکڑا اور نیشاپوری خاندان میں پندرہ روپیہ مہینہ کا نوکر رکھوا دیا"

(آب حیات، آب ص۴۲۶)

یہ نیشاپوری خاندان اُردو شعرا کے سلسلے میں بہت اہمیت رکھتا ہے لیکن اس کے تفصیلی حالات معلوم نہیں، جس قدر ہم پہنچے درج کئے جاتے ہیں۔

اس خاندان کے مورث اعلیٰ میرزا محمد امین نیشاپوری تھے، نواب کلب حسین خاں نادر ان کو "سید" کہتے ہیں لیکن دوسرے تذکرہ نویس اس بات پر متفق ہیں کہ یہ "میرزا" تھے، غالباً محمد امین خود نیشاپور سے ہندوستان آئے تھے، ان کا شمار اس وقت کے معززین میں ہوتا تھا، سرکار اودھ سے اس خاندان کو کچھ علاقہ بطور جاگیر عطا ہوا تھا۔ ان کے فرزند میرزا محمد تقی خان بہادر شاعر اور شاعر نواز رئیس تھے، مصحفی نے ان کا تعارف اس طرح کرایا ہے:۔

"اسد الدولہ رستم الملک میرزا محمد تقی خان بہادر، ترقی تخلص عرف آغا صاحب خلف میرزا محمد امین نیشاپوری جوانیست باغ و بہار، سرو قامتش بہ لباس موزونی آراستہ و نخچۂ دستش بہ حنائی سخاوت پیراستہ عالی دودمانی ایشاں محتاج بہ شرح و بیان نیست، از ابتدائی شوق موزونی طبع تا الی الان رجوع از تہ دل بہ اہل کمال و صاحبان سخن از عطیۂ دست او زر بہ دست می آرند، ہر کس و ناکس را محروم نمی گذارد۔"

(ریاض الفصحا مطبوعہ ۔ ریاض ص۵۳)

میرزا محمد تقی خان بہادر فارسی اور اُردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے، اور میر سوز دہلوی سے اصلاح لیتے تھے آخر میں غالباً مصحفی سے بھی اصلاح لی، لیکن یہ واقعہ ریاض الفصحا میں ان کے حالات لکھے جانے کے بعد کا معلوم ہوتا ہے۔ میر سوز کا انتقال ۱۲۱۳ھ میں ہوا (ملاحظہ ہو دستور الفصاحت ۔ دستور حاشیہ ص۸۵) ان کے انتقال کے وقت ترقی کی عمر اگر بیس سال کی بھی قیاس کریں، تو ان کا زمانۂ ولادت ۱۱۹۳ھ کے قریب کا قرار پائے گا۔ انھوں نے اساتذۂ قدیم مثلاً میر، جرأت وغیرہ کو بھی دیکھا تھا بلکہ صاحب آب حیات کی ایک روایت کے مطابق ان صاحبوں نے ترقی کے مشاعرے میں شرکت بھی کی تھی۔

"مرزا محمد تقی خاں ترقی کے مکان پر مشاعرہ ہوتا تھا اور تمام امرائے نامی و شعرائے گرامی جمع ہوتے تھے، میر تقی مرحوم بھی آتے تھے، ایک دفعہ جرأت نے غزل پڑھی اور غزل وہ ہوئی کہ تعریفوں کے غل سے شعر تک سُنائی نہ دیتے، میاں جرأت نے یا تو اس جوش سرور میں..... یا شوخی مزاج سے میر صاحب ..... سے کہا تو میر صاحب نے جو الفاظ فرمائے وہ یہ ہیں۔ کیفیت اس کی یہ ہے کہ تم شعر تو کہنا نہیں جانتے ہو اپنی چوما چاٹی کہہ لیا کرو۔" (آب ص۲۹۵)

جرأت کا انتقال ۱۲۲۷ھ میں (تذکرہ شعرا مصنفہ ابن طوفان مطبوعہ ۔ طوفان ص۲۷) اور میر کی وفات ۱۲۲۵ھ (دستور ص۲۶) کا واقعہ ہے۔ میر صاحب نے ۱۱۹۶ھ میں لکھنؤ کا سفر کیا (دیوان ص ۲۵) اور جرأت ۱۲۱۵ھ میں پہنچے (آب ص۲۹۱) مذکورہ روایت صاحب آب حیات نے تذکرۂ قاسم کے حوالے سے نقل کی ہے اور اسے سکسینہ نے بھی قبول کیا ہے (تاریخ ادب اُردو از رام بابو سکسینہ، ترجمہ اُردو ۔ سکسینہ ص۱۹۵) اگر اس روایت کی صحت کا یقین کیا جائے تو یہ واقعہ ۱۲۱۵ھ اور ۱۲۲۳ھ کے درمیان کا ہونا چاہیے، اور اس صورت میں اس عرصہ میں ترقی کا لکھنؤ میں قیام پذیر ہونا بھی لازم آئے گا۔ ترقی کے لکھنؤ جانے کا ذکر سکسینہ نے کیا ہے:۔

"آتش کی ولادت فیض آباد میں ہوئی..... نواب مرزا محمد تقی خاں ترقی کی ملازمت اختیار کر لی اور انھیں کے ساتھ لکھنؤ آئے۔" (سکسینہ ص۲۴۳)

معلوم ہوتا ہے کہ آتش نے کم عمری ہی میں یہ ملازمت اختیار کر لی تھی، شاعری کا شوق لکھنؤ آکر پیدا ہوا، ایک عرصے کے بعد نواب ترقی کو یہ خیال ہوا کہ فیض آباد میں بعض اچھے شعرا جمع ہو جائیں، میر حسن خلیق پہلے ہی وہاں موجود تھے، آتش کو بھی بلایا، اس کا بیان آزاد کے لفظوں میں سنئے:۔

"ان ہی دنوں میں مرزا تقی ترقی نے چاہا کہ فیض آباد میں شعر و سخن کا چرچا ہو، مشاعرہ قائم کیا اور خواجہ حیدر علی آتش کو لکھنؤ سے بلایا۔ تجویز یہ بھی کہ انھیں

وہیں رکھیں پہلے ہی جلسہ میں جو میر خلیق نے غزل پڑھی ...... آتش نے اپنی غزل پھاڑ ڈالی اور کہا کہ جب ایسا شخص یہاں موجود ہے تو میری کیا ضرورت ہے" (آب حیات ص ۳۶۶)

اس روایت کو سکسینہ نے (ص ۲۶۹ پر) اور لالہ سری رام نے (خمخانہ ص ۳۳۱۲ پر) بھی نقل کیا ہے، میر خلیق جس وقت مرزا ترقی کے مشاعرہ میں شریک ہوتے تھے اس کی کیفیت بقول میر علی اوسط رشک یہ تھی:-

"مرزا محمد تقی خاں ترقی کے دولت خانے میں صحبت مشاعرہ مقرر اور روز مقررہ وہاں اژدحام (کذا) اہل فضل و ہنر چار و ناچار میر مستحسن خلیق کو کہ فیض آباد میں ان سے کوئی بہتر نہ تھا غزل کھلائی اور ہنرمندوں کی زبان سے واہ واہ پائی۔ چندے زمانہ اسی طور پر گذرا بسنہ ۱۲۲۱ ہجری میں ...... عزم لکھنؤ کا ٹھیرا" (تذکرہ نامہ بجواۓ طوفان ص ۴۳)

اس مشاعرے کا زمانہ ۱۲۲۳ھ کے قریب کا ہونا چاہیے، اس کے امکانات ہیں کہ آتش کو فیض آباد سے چلے آنے کے بعد وہاں کی محفلوں کے حالات سے واقفیت نہ رہ گئی ہو، اور دوبارہ جب گئے ہوں تو میر خلیق کی موجودگی میں اپنی ضرورت محسوس کی ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ ترقی کئی بار لکھنؤ آئے اور واپس گئے۔ چنانچہ ان کے ایک اور مشاعرے کا ذکر مولانا محمد حسین آزاد نے کیا ہے:-

"ایک دفعہ میر تقی کے ہاں مشاعرہ میں خواجہ صاحب نے غزل پڑھی کہ شکم کے مضمون میں موج بحر کا فقرہ باندھا تھا۔ طالب علی خاں عیشی نے وہیں ٹوکا انھوں نے جواب دیا کہ میاں ابھی مدت چاہیے ...... ساتھ ہی میر مشاعرہ سے کہا کہ اب کی دفعہ یہی طرح ہو۔

یہ بزم وہ ہے کہ لا خیر کا مقام نہیں
ہمارے گنجفہ میں بازی غلام نہیں

وہ بیچارے بھی کسی کے متبنی تھے اسی مطلع کو یاروں نے شیخ ناسخ کے گلے باندھا۔ (آب حیات ص ۳۲۷)

آزاد کے متعلق تعجب ہے کہ وہ کہیں کہیں مرزا تقی ترقی کو "میر" بھی لکھ جاتے ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود بھی ان کے متعلق مطمئن نہیں تھے کہ یہ "میر تھے یا "میرزا"۔

مرزا ترقی کے ایک صاحب زادہ کا ذکر بھی یہ کروں میں ملتا ہے، نادر لکھتے ہیں:-

"دلیر الدولہ نواب محمد علی خاں بہادر عرف آغا حیدر خیروز جنگ خلف نواب اسد الدولہ رستم الملک سید محمد تقی خاں بہادر فیل جنگ نیشاپوری شاگرد فتح الدولہ بہادر" (تذکرہ نادر مطبوعہ۔ نادر ص ۶۰)

ناسخ نے بھی ان کا ذکر کیا ہے (ص ۳۴۳) معلوم ہوتا ہے کہ یہ اردو ہی میں شعر کہتے تھے، برق سے تلمذ تھا ان کی شاعری کو سنوارا۔ حیدر کے ایک صاحب زادے "نواب والاجاہ بہادر عرف چھوٹے صاحب خلف نواب دلیر الدولہ سید محمد علی خاں بہادر عرف آغا حیدر نیشاپوری و فیض آبادی" کا ذکر بھی نادر نے کیا ہے (ص ۵۱) ان کے قول کے مطابق ان کا تخلص عاشق تھا صاحب دیوان شاعر تھے، ان کے تلمذ کے سلسلے میں اختلاف ہے۔ نادر انھیں قدیر (مولوی احمد علی قدیر شاگرد محمد ذکی؟) کا شاگرد بتاتے ہیں لیکن لالہ سری رام نے ان کے حالات زیادہ تفصیل سے لکھے ہیں، وہ سرفراز علی نادر کو ان کا استاد بتاتے ہیں، مرزا والاجاہ لکھنؤ میں مقیم تھے۔ علوم معانی و بیان، عروض و قافیہ پر مہارت رکھتے تھے۔ ان کا دیوان "فیض نشان" ۱۲۹۰ہجری میں چھپ کر شائع ہو چکا ہے۔ ۱۲۹۸ھ میں ان کا انتقال ہوا، ان کی اولاد کے حالات دستیاب نہ ہو سکے۔

نیشاپور کے اس خانوادہ کی ادبیات اردو سے دلچسپیوں کا اندازہ حالات مذکورہ سے کیا جا سکتا ہے۔

اب مناسب ہے کہ ان کی شاعری کا بھی مختصر ذکر کر دیا جائے۔ ترقی کی ایک فارسی غزل مصحفی نے نقل کی ہے جو گیارہ اشعار پر مشتمل ہے۔ مقطع یہ ہے:-

ز ضبط نالہا کوشی اے ترقی   ز فریاد تو خلقی در فغانست

ترقی کے اردو کلام کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حادثات زمانہ پر نگاہ رکھتے ہیں، ان سے اثر لیتے ہیں، دنیا کے متعلق ان کا نظریہ یہ ہے کہ

کوچے سے ہم کو اپنے اٹھاتا ہے کس لئے
بیٹھے ہیں ہم جہان سے اپنا اٹھائے دل

ان کے یہاں عشق کا تصور کم و بیش وہی ہے جو قدیم دہلوی شعرا کے یہاں تھا، وہ محبوب کی اداؤں، اس کے خصائل اور اطوار کے ذکر پر زیادہ زور دیتے ہیں بہ نسبت اس کے کہ اس کے اعضائے بدن کی مدح سرائی کریں۔ محبوب کے متعلق کتنا اچھا مضمون نظم کیا ہے۔

اک دل مجھے مدام ستانے کو چاہیے
تیرے لئے کہاں سے کوئی روز لائے دل

یہ مضمون غزل کے مزاج سے کس قدر مطابق ہے بوس و کنار کا ذکر شعرائے لکھنؤ کے یہاں عام ہے لیکن ترقی اس سلسلے میں محتاط معلوم ہوتے ہیں۔ یہ شعر سنئے۔

لیا جو زلف ادب کر کے خواب میں بوسہ
خطا تو ہے پہ سزاوار انتقام نہیں

(باقی صفحہ ۸ پر)

اسرار اکبر آبادی

نظر لگ نہ جائے

(ہولی کے موقع پر)

سمندر کی چھاتی پہ جھکتے ہیں بادل
نگاروں کے رخ سے ڈھلکتے ہیں آنچل
چھنا چھن چھنکتی ہے لہروں کی پائل

گلشن بہکا بہکا، ہوائیں شرابی
چمن مہکا مہکا، فضائیں گلابی
دمن پھول سے ہیں تو چہرے کتابی

نگاہوں میں شوخی، لبوں پر ترانے
طلسم حقیقت، وفا کے فسانے
مبارک مبارک یہ رنگیں زمانے

نرالی ادائیں ہیں سرشاریاں ہیں
جوانی کے ہاتھوں میں پچکاریاں ہیں
فضاؤں میں رنگوں کی گلکاریاں ہیں

یہ پرکیف منظر، یہ نغموں کی محفل
یہ پھولوں کا آنگن، بہاروں کی منزل
بچھے جا رہے ہیں سبھی دیدہ و دل

زمیں کو کسی کی نظر لگ نہ جائے
محبت سے کہہ دو کہ جادو جگائے

غزلیں

رحمٰن ساجد

ہجوم آرزو ہے اور میں ہوں — مسلسل جستجو ہے اور میں ہوں
خدا جانے مری منزل کہاں ہے؟ — جہانِ رنگ و بو ہے اور میں ہوں
نہیں ہیں آج وہ محوِ تبسم — قیامت روبرو ہے اور میں ہوں
چھڑے کیونکر نہ ذکرِ راز الفت — مری جاں صرف تو ہے اور میں ہوں
جہاں کیا! اور فکرِ دو جہاں کیا؟ — کہ ساغر ہے سبو ہے اور میں ہوں
صداقت رنگ لائی زندگی میں — کہ ہر سو اب عدو ہے اور میں ہوں
غنیمت ہے کہ سرکٹ جائے ساجد — وطن کی آبرو ہے اور میں ہوں

م - جے پوری

ہائے کیسی یہ بزمِ ماتم ہے — جس طرف دیکھو آنکھ پُرنم ہے
بھولنے والے یہ خیال رہے — میرے جینے کا آسرا کم ہے
جانے اُس غمزدہ پہ کیا گذری — چاند کی روشنی بھی مدھم ہے
تم نے مجھ کو بھلا دیا دل سے — یہ نوازش تمہاری کیا کم ہے
میں نے ویسے ہی بات کہہ دی تھی — آپ کا کیوں مزاج برہم ہے

شعر دو مصرعہ ... ادبی صدیقی کا ہے ... (رحمٰن ساجد)

حلقۂ اربابِ ذوق لدھیانہ

حلقۂ اربابِ ذوق لدھیانہ کے زیرِ اہتمام مورخہ ۸ فروری کو بوقت ۸ بجے شام گورنمنٹ کالج لدھیانہ ہال میں ایک عظیم الشان آل انڈیا اُردو مشاعرہ منعقد ہوا جس میں مندرجۂ ذیل شعرائے کرام نے دو بجے رات تک اپنے منتخب کلام سے سامعین کو محظوظ کیا۔ حضرت جوش ملسیانی، جناب جگن ناتھ آزاد، جناب بسمل سعیدی، جناب کرپال سنگھ بیدار، جناب پورن سنگھ ہنر، جناب اختر رضوان، جناب سرجن لال ساحر، جناب ساحر ہوشیار پوری، جناب شعری بھوپالی، جناب انور مرزاپوری، ڈاکٹر شفا گوالیاری، پروفیسر ولادر فگار، پروفیسر اے۔ سی بہار، محترمہ یاد دہلوی، جناب جمیل الشاہی، جناب شمسی مینائی، جناب قتیل باندوی، جناب حیات وارثی، جناب طالب شملوی، جناب فانی جالندھری، جناب کرشن ادیب اور میاں اسپے راج سنگھ شاد۔

مسندِ صدارت پر ابوالفصاحت حضرت جوش ملسیانی جلوہ افروز تھے اور اسٹیج سکریٹری کے فرائض پروفیسر اے۔ سی بہار اور بعد ازاں جناب ساحر ہوشیار پوری نے سرانجام دئے۔ لدھیانہ کے سابقہ مشاعروں کی طرح اب کی بار بھی مشاعرہ نہایت کامیاب رہا اور حاضرینِ محفل نے شعرا کو دل کھول کر داد دی۔ (اے۔ سی بہار سکریٹری)

نقلی نصابی کتابوں کی فروخت سے دس کروڑ کا نقصان

(بحوالہ سیاست جدید) نقلی نصابی کتابوں کے خلاف کل ہند کمیٹی کی ایک سروے رپورٹ کے بموجب سات صوبوں کو کتابوں کے نقلی شماروں کے کاروبار کا نشانہ بننا پڑا ہے جس کے نتیجہ میں متعلقہ صوبائی حکومتوں کو دس کروڑ روپے کا نقصان برداشت کرنا پڑا ہے۔ متاثرہ صوبے یوپی، مدھیہ پردیش، مغربی بنگال، بہار، پنجاب، مہاراشٹر اور اڑیسہ ہیں۔ مغربی بنگال میں حکام نے فوری طور پر قدم اٹھایا اور اس چیلنج کا مقابلہ بہت بڑی تعداد میں نصابی کتابوں کی بازاروں میں بھرمار کر کے کیا جن کی قیمتیں مقابلتاً کم رکھی گئیں۔ اس کے باوجود کتابوں میں تقریباً چالیس فی صدی سکنڈری اور اس سے نچلے اسکولوں کے لئے ضلعوں میں فروخت ہوئی ہیں وہ یا تو نقلی ایڈیشن ہیں اور معیار سے گھٹیا درجے کی ہیں۔ مدھیہ پردیش اور مہاراشٹر میں اصلی نصابی کتابوں کو بازاروں میں پہنچنے سے باز رکھا گیا اور تین لاکھ روپے سے زائد کی مالیت کی نصابی کتابوں کو ردی کاغذ کے طور پر فروخت کر دیا گیا۔

مراسلات

گلدستہ بہار سخن رتلام

"ہماری زبان" مورخہ ۲۳ اکتوبر ۲۰۰۵ء و یکم جنوری ۲۰۰۶ء کی اشاعتوں میں بسلسلہ "گلشن داغ" جناب سید فضل المتین صاحب کے دونوں مراسلے میری نظر سے گزرے۔ چنانچہ میں نے 'گلشن داغ' وخصوصاً جناب طالب اکبرآبادی شاگرد حضرت غالب مرحوم کے متعلق مقامی طور پر کافی چھان بین کی مگر افسوس ہے کہ تلاش بسیار کے باوجود نہ تو 'گلشن داغ' کا کوئی شمارہ دستیاب ہو سکا اور نہ ہی جناب طالب اکبرآبادی کے متعلق کچھ معلوم ہو سکا۔ البتہ اسی چھان بین کے دوران میرے ایک مقامی کرم فرما جناب عترت حسین صاحب کے پاس 'بہار سخن' نامی گلدستہ کے چند شمارے نہایت ہی بوسیدہ حالت میں پائے گئے جو موصوف کو موصوف کے جد امجد جناب غفور بخش صاحب غفور (تلمیذ جناب مولوی عبدالحق صاحب عبد مولوی سنٹرل کالج رتلام و مہتمم مطبع رتن پرکاش رتلام) سے ورثے میں ملے ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ 'گلشن داغ' نامی گلدستہ رتلام سے شائع نہیں ہوتا تھا۔ سابقہ ریاستی ریکارڈ و معتبر عمر رسیدہ اشخاص کے بیان کے مطابق یہاں سے نہ صرف 'بہار سخن' و 'گلشن داغ' نامی گلدستے شائع ہوا کرتے تھے۔ بلکہ ایک روزنامہ بھی "رتن پرکاش" کے نام سے شائع ہوا کرتا تھا افسوس ہے کہ 'گلشن داغ' کی طرح "رتن پرکاش" کے شمارے بھی مفقود الخبر ہیں۔ بہر حال پیش نظر گلدستہ 'بہار سخن' پر 'ہماری زبان' کے ان قیمتی صفحات پر روشنی ڈال رہا ہوں تاکہ ان حضرات کو کچھ مدد مل سکے جو پرانے اردو اخبارات و رسائل پر تحقیق کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

گلدستہ 'بہار سخن' رتلام مہاراجہ رنجیت سنگھ جی صاحب بہادر والی ریاست رتلام (حال مدھیہ پردیش) کے دور حکومت میں جنوری ۱۸۸۶ء مطابق ۱۳۰۳ھ میں جاری ہوا تھا، اور ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو مطبع رتن پرکاش رتلام سے طبع ہو کر شائع ہوا کرتا تھا۔ یہ گلدستہ ۱۶ صفحات پر مشتمل ہے اور سائز 'گلشن داغ' کے مقابلے میں نصف ہے۔ سرورق پر جلی حروف میں 'بہار سخن' رتلام اور اس کے نیچے جناب بسنتی لال صاحب رئیس مندسور (حال مدھیہ پردیش) کا حسب ذیل قطعۂ تاریخ درج ہے۔

بہار سخن پرچہ بے نظیر — شدہ مشتہر چوں بطرز عجب
چو شد عجز در فکر تاریخ گفت — سن ہجریش "پرچۂ منتخب"

۱۳۰۳ ہجری

اس کے نیچے پرچے کے مالک و مہتمم و مرتب کی حیثیت سے جناب رام کشن صاحب جوش اسسٹنٹ ماسٹر سنٹرل کالج رتلام کا اسم گرامی درج ہے۔ سرورق کی پشت پر پرچے کی حسب ذیل شرائط درج ہیں:- (نقل مطابق اصل):-

دفعہ ۱۔ یہ پرچہ ہر مہینے کی پہلی تاریخ کو شائع ہوا کرے گا۔

دفعہ ۲۔ قیمت اس کی عام سے ایک روپیہ سالانہ مع محصول و رؤسا سے بقدر فراخ دلی۔

دفعہ ۳۔ اول غزلیات طرحی من بعد غیر طرحی باعتبار تخلص کی حروف ابجد کی ترتیب پر درج کی جاویں گی۔

دفعہ ۴۔ جواب طلب امر کے لیے جوابی پوسٹ کارڈ ہونا چاہیے۔

دفعہ ۵۔ سوائے پھڑکتی ہوئی غزلوں اور چوٹی کے اشعار کے وانتخاب گلدستہائے دیگر گاہ گاہ مفید عام مضامین بھی درج ہوا کریں گے اور انتخاب کمیٹی کی رائے پر ہوگا۔

دفعہ ۶۔ نمونہ کا پرچہ دو آنے قیمت پر مل سکتا ہے۔

دفعہ ۷۔ پرچہ خدمت میں پہنچنے پر اگر کوئی صاحب سکوت اختیار کریں تو سال بھر کی قیمت کے ذمہ دار ہوں گے۔

دفعہ ۸۔ قیمت بذریعہ پوسٹل نوٹ یا منی آرڈر روانہ کرنا چاہیے۔

دفعہ ۹۔ قیمت اور ہر قسم کی تحریر بنام ماسٹر رام کشن جوش مالک و مہتمم گلدستہ بہار سخن آنا چاہیے۔

دفعہ ۱۰۔ شعرائے نازک خیال کو غزلیں یوم اشاعت سے بیس روز پیشتر بھیجنا چاہیے ورنہ شائع ہونے سے رہ جاویں گی۔

پیش نظر گلدستے کے ہر شمارے میں ابتدائی صفحے کے بالائی حصہ پر ہر ماہ کا علیحدہ طرحی مصرع درج ہے اور اس کے بعد غزلیات طرحی یا ان کے منتخب اشعار پرچہ کی دفعہ ۳ کے مطابق درج ہیں۔ جو شعرا پابندی کے ساتھ ہر ماہ ہر شمارے میں شریک اشاعت پائے گئے ہیں ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:-

حضرت داغ دہلوی۔ حضرت امانت لکھنوی۔ مولوی عبدالحق صاحب عبد مولوی سنٹرل کالج رتلام۔ ماسٹر رام کشن صاحب جوش مالک و مہتمم بہار سخن رتلام۔ مولوی قادر علی صاحب شوق پروپرائٹر بہار سخن رتلام۔ مولوی نظام الدین صاحب نظام گلشن آبادی (جاورہ)۔ مرزا اشرف یار خاں صاحب شرف گلشن آبادی (جاورہ) تلمیذ حضرت داغ دہلوی۔ سلطان جہاں بیگم صاحبہ حیا گلشن آبادی (جاورہ)۔ قاضی امیر الدین صاحب امیر متوطن رتلام۔ انوپ سنگھ صاحب زور مدرس مدرسہ فارسی رتلام۔ غفور بخش صاحب غفور تلمیذ حضرت عبد۔ مولوی سید عبدالعلی صاحب شمسی گوالیاری مصاحب والئ دتیا۔ پنڈت شیو ناتھ صاحب عاشق تلمیذ حضرت نظام گلشن آبادی۔ اوستاد صاحب رئیس رتلام شاگرد جناب حیا صاحبہ گلشن آبادی۔ منشی خوبچند صاحب عاشق

محرر فوجداری رتلام۔ کوٹھاری پرگھناتھ سنگھ صاحب افضل متوطن رتلام۔ مرزا محمود علی صاحب انجم ملہار گڑھ علاقہ ریاست جاورہ۔ منشی عبدالحفیظ خاں صاحب حفیظ جاورہ۔ فائق صاحب رتلامی۔ سلطان محمود خاں صاحب سحبان جاورہ۔ عبدالمجید صاحب عاجز رئیس جاورہ۔ پیر محمد خاں صاحب اختر نحریر گیرائی رتلام۔ سید حبیب شاہ صاحب برق رام پوری حال وارد جاورہ۔ حاجی اللہ بخش صاحب برق قصبہ کھاچرود ضلع اجین۔ قاسم علی خاں صاحب قاسم پرگنہ اوہیل ضلع اجین۔ منشی جگناتھ صاحب آزاد خوش نویس مطبع رتن پرکاش رتلام۔ منشی پریم نارائن صاحب بسمل دیواس۔ جمال الدین صاحب جمال شاگرد حضرت عہد۔ منشی رام بخش صاحب رام محافظ دفتر محکمۂ صدر عدالت رتلام۔ منشی پیارے لال صاحب شایق۔ منشی بالمکند صاحب شاد تلمیذ حضرت عاشق لکھنوی۔ جناب کنہیا لال صاحب عاجز کھاچرود۔ محمد عبدالرؤف صاحب ذور درؤف اندور۔ محمد اللہ صاحب عشرت قاضی زادہ شہر پرتاب گڑھ۔ گمنام صاحب بانسواڑہ۔ حاجی محمد صاحب مسکین رتلام۔ منشی سید علی صاحب حامد متوطن کھاچرود۔ حافظ آفتاب علی صاحب احمد راجپوری حال وارد رتلام۔ منشی عبدالکریم صاحب فروغ دیوبندی۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ تذکرہ شعراء میں سے چند کو چھوڑ کر باقی تمام شعراء مالوہ کی ان چھوٹی چھوٹی سابق ریاستوں سے متعلق ہیں جو بشکل الائی وطن عزیز کا ایک بڑا صوبہ "مدھیہ پردیش" کہلاتی ہیں اور ستم بالائے ستم یہ ہے کہ مدھیہ پردیش کو ہندی کا علاقہ قرار دے دیا گیا ہے جبکہ مدھیہ پردیش میں ضم ہونے والی بیشتر ریاستیں خالص اردو کا علاقہ رہی ہیں۔

یہ کہنا مشکل ہے کہ بہار سخن ۱۸۸۵ء میں جاری ہو کر کب تک جاری رہا اس لئے کہ جناب عترت حسین صاحب کے پاس ۱۸۸۵ء کے سات شمارے اور ۱۸۸۶ء کے صرف تین شمارے موجود ہیں۔ گلدستۂ ہذا کے ہر شمارے کے آخری صفحہ پر مولوی قادر علی صاحب شوق پرو پرائٹر بہار سخن کا حسب ذیل قطعۂ تاریخ درج ہے۔

بہار سخن جب کہ جاری ہوا ہوا شوق کو فکر تاریخ کا
بعجلت سن عیسوی شوق نے بہار سخن کیا ہی خوش جو کہا

(حامد گلشن آبادی)

ڈاکٹر عبدالحق (مدراس) کے متعلق معلومات

ڈاکٹر عبدالحق صاحب مرحوم (کرنولی مدراس) کی سوانح حیات کی ترتیب کے سلسلے میں قارئین ہماری زبان سے امداد کی درخواست ہے۔

ڈاکٹر صاحب کی شخصیت، ان کے کارنامے اور ان کی زندگی کے متعدد پہلو، ان کے متعلق جو اصحاب بھی جس قسم کی معلومات فراہم کر سکیں یا ایسے افراد کا پتہ فراہم کر سکیں جو ان سے قریبی تعلق رکھتے تھے، یہ میرے لئے تشکر اور ممنونیت کا باعث ہوگا۔

نیز ڈاکٹر صاحب کے مضامین، خطوط، تقاریر کی نقل اور آٹوگراف وغیرہ بھی جن کے پاس محفوظ ہیں وہ براہ کرم مجھے مطلع فرمانے کی زحمت گوارا فرمائیں۔

میرا پتہ: مسز ذاکرہ غوث۔ ۱۲۵ موبربس روڈ۔ رائی پیٹھ مدراس ۱۴

خان؟

یکم فروری ۶۴ء کے شمارے میں محترمہ نجمہ سمیع کا مراسلہ نظر سے گذرا۔ یہ سر سید احمد صاحب خاں کب سے ہو گئے؟ میں نے تو بچپن میں پڑھا تھا کہ حکومت نے ان کو خان بہادر کا خطاب دیا تھا اور لوگ انھیں سر سید احمد خاں بہادر لکھا کرتے تھے۔ تعجب ہے کہ کوئی مراسلہ "ہماری زبان" میں لکھے اور اپنی بے احتیاطی کا کھلا ثبوت یوں فراہم کرے؟ (عجیب جو)

میر نظام الدین ممنون دہلوی

"ہماری زبان" مورخہ یکم فروری ۶۴ء میں جو ہر ٹونکی صاحب کا سوال دیکھا، مقصد واضح نہیں۔ بہرحال اس سلسلے میں اتنا کہا جا سکتا ہے کہ میر نظام الدین ممنون کے والد کا نام میر قمرالدین تھا، منت تخلص کرتے تھے۔ ممنون اور منت دونوں کے حالات مختصراً "دستور الفصاحت" میں ملتے ہیں۔ مولانا امتیاز علی خاں صاحب عرشی نے "دستور الفصاحت" میں حاشیے پر ان کتابوں کا بھی حوالہ دے دیا ہے جن میں ممنون اور منت کے حالات مل سکتے ہیں۔ ان کے علاوہ قدیم تذکروں، قلمی بیاضوں اور لغات میں ممنون اور منت کا کافی کلام ملتا ہے اور ان کا اچھا ذخیرہ علی گڑھ میں موجود ہے۔

ان کے دیوان کے متعلق رام بابو سکسینہ کا قول ہے کہ بہت کمیاب ہیں۔ ممنون کی زندگی ہی میں کچھ غزلیں ان کے والد منت کے نام سے مشہور ہو گئیں اور انھیں بعض تذکرہ نویس ممنون کی طرف بھی منسوب کرتے رہے۔

محمد انصار اللہ نظر نے "شمع ادب" سلطان پور میں میر قمرالدین منت کے حالات وغیرہ اکتوبر و نومبر ۱۹۶۳ء میں شائع کئے تھے۔ وہ بھی دیکھے جانے چاہئیں۔

(اشفاق حسین کان پور)

جنتا لائبریری برہان پور میں اعزازیہ

برہان پور جنتا لائبریری ہال میں ایڈیٹر ماہنامہ "زنجیر" بھوپال جناب ڈکمل بھوپالی اور جناب قاسم نیازی صاحب کے اعزاز میں دس بجے شب ایک مخصوص شعری نشست منعقد ہوئی، جس کی صدارت جناب وصی عارف صاحب نے فرمائی۔ حضرت خلیق نے معزز مہمانوں کا تعارف کرایا۔ معزز مہمانوں سے کئی بار ان کا کلام سنا گیا۔ مقامی شعراء میں حضرت خلیق برہان پوری، وصی عارف صاحب، اقبال نصیب، شباب مظہر، عزیز الدین عزیز، اور روشن انصاری بی ایس سی، یعقوب صادق اور منصور وارثی نے شرکت فرمائی۔ شعر و سخن کی یہ پُر کیف محفل ۱۲ بجے شب تک جاری رہی۔

(اقبال نصیب سکریٹری جنتا لائبریری)

ساگر میں عید ملاپ

انجمن ترقی اُردو ساگر کے زیر اہتمام ۷ ار فروری ۶۴ء کو ۵ بجے شام جشن عید منایا گیا اور دعوت عصرانہ دی گئی جس میں شہر کے معزز اصحاب کے علاوہ حکام شہر نے شرکت فرمائی۔ اس یکجہتی اور میل ملاپ کے مظاہرے کو ہر طبقے اور جماعت نے پسند کیا۔

جناب محمد حسین خاں تہر سکریٹری انجمن نے مہمانوں کو عید کی مبارکباد پیش کی اور انجمن کا تعارف کراتے ہوئے عید، دیوالی اور دیگر اہم تہواروں کے مواقع پر اس طرح کے جلسوں کی اہمیت پر زور دیا اور تجویز پیش کی کہ آئندہ ہولی پہ بھی ایسا ہی خوشی کا جلسہ منایا جائے جس کی سب نے تائید کی۔ عصرانے کے بعد نظم خوانی کے ساتھ آپس کے میل جول اور محبت پر مختصر تقریریں کی گئیں۔ مہمانوں نے ایک دوسرے کو عید کی مبارکباد پیش کی۔

سیٹھ ڈالچند جین، صدر میونسپل کمیٹی، پنڈت گوری شنکر پاٹھک، صدر کانگریس کمیٹی، کلکٹر صاحب ضلع ساگر، ڈی ایم صاحب، جناب محمود رضا خاں صاحب، ڈی ایف او، سیٹھ حاجی محمد شفیع صاحب ایم ایل اے و صدر جمعیۃ علماء ساگر، شری پریم چند جین نائب صدر میونسپل کمیٹی، ڈاکٹر ایل این شلا کاری، وکیل سردار جاگر سنگھ، سیٹھ علی محمد صاحب، شیخ ضیاء الدین فاروقی اور جناب محمد بقاء اللہ صاحب ممتاز شرکاء میں سے تھے۔

آخر میں جناب سیٹھ محمد شفیع صاحب نے مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔

اس جشن عید کے انعقاد میں جناب سیٹھ امانت حسین، [illegible] سیٹھ محمد حبیب صاحب، محمد یوسف کھتری، اور میر جانی نے نمایاں حصہ لیا جس کی انجمن بیحد شکرگزار ہے۔

(محمد یوسف کھتری)

غالب کا مجسمہ

حال ہی میں ہندوستان کے ایک نوجوان فنکار، تارو (طاہر ایم سید) نے پہلی بار غالب کا مجسمہ تیار کیا ہے۔ سید نے یہ کوشش کی ہے کہ اس مجسمے میں غالب کی شخصیت کی وہ ساری خصوصیات سمٹ آئیں جنھوں نے اُسے یہ عظمت اور مقبولیت بخشی ہے اور جن کی وجہ سے وہ ایک تہذیبی علامت بن گیا ہے۔

غالب کے اس مجسمے کی تصاویر مختلف انگریزی اُردو اخبارات اور رسائل میں یوم غالب پر شائع ہوئی ہیں۔ اس مجسمے کا تعارف اکبر علی خاں ایڈیٹر نگار رام پور نے تحریر کیا ہے جو ان تصاویر کے ساتھ شائع ہوا ہے۔

اس مجسمے کی نقاب کشائی رام پور میں کی جا رہی ہے ریاست رام پور سے اس عظیم فنکار کا بڑا گہرا تعلق رہا ہے اور اسی دربار سے ۱۸۵۷ء کے بعد شاعر کے سخت ایام میں دستگیری ہوئی ہے۔

لکھنؤ میں ریاستی آرکائیوز

بحوالہ نیشنل ہیرلڈ۔ معلوم ہوا ہے کہ یوپی سرکار نے لکھنؤ میں ایک ریاستی آرکائیوز کے قیام کے لئے ایک اعلیٰ منصوبہ تیار کیا ہے۔ آرکائیوز کی عمارت چار حصوں میں تعمیر ہو گی۔ امید کی جاتی ہے کہ پہلا حصہ جس پر ۷،۲۰ لاکھ روپیہ صرف ہوگا اس سال کے آخر تک مکمل ہو جائیگا۔ عمارت کی تعمیر کیلئے زمین ریاستی حکومت نے پہلے ہی حاصل کر لی ہے۔

مشرقی تعلیمات کے لئے تحقیقاتی مرکز

بحوالہ نیشنل ہیرلڈ معلوم ہوا ہے کہ امریکہ کی ہندوستانی امریکی سوسائٹی جو مشرقی تعلیمات پر تحقیقاتی کام کر رہی ہے عنقریب مشرقی تعلیمات کے مطالعہ اور تحقیقات کے لئے بنارس میں ایک مرکز قائم کرنے والی ہے۔ مجوزہ اسکیم پر قریب قریب ڈیڑھ کروڑ روپیہ خرچ ہو گا۔ امید کی جاتی ہے کہ ستمبر کے آخر تک یہ اسکیم آخری شکل اختیار کرے گی اس کام کے لئے موقع کی اراضی کا انتخاب کیا جا رہا ہے۔

سنہ ۱۹۶۶ء تک کل سرکاری کام ہندی میں

مدھیہ پردیش کے وزیر اعلیٰ نے وقفۂ سوالات کے درمیان ریاستی اسمبلی کو بتایا کہ مدھیہ پردیش کی سرکار ایک اسکیم پر غور کر رہی ہے جس کی رو سے سنہ ۱۹۶۶ء تک تمام کام ہندی میں منتقل کر دیا جائے گا۔

ضمنی سوالات کا جواب دیتے ہوئے وزیر اعلیٰ نے بتایا کہ ریاستی ریونیو بورڈ کا کام ہندی میں ہی ہو رہا تھا۔

اس سے پہلے لکشمی نارائن گپتا کے جواب میں وزیر تعلیم ڈاکٹر شرما نے بتایا تھا کہ ریونیو بورڈ کا کام انگریزی اور ہندی دونوں میں ہوتا تھا۔

پرنسپل مہادیو پرشاد صاحب اگروال کی تقریر

۳۱ر جنوری ۱۹۶۳ء کو صوبۂ مدھیہ پردیش کے سب سے قدیم تعلیمی ادارہ ــــ (رابرٹسن کالج) ــــ مہاکوشل آرٹس مہاودیالیہ جبلپور ــــ کی فارسی و اردو بزم ادبیات کے زیر اہتمام پروفیسر امین چند صاحب شرما ــــ صدر شعبۂ اردو فارسی ــــ جبلپور یونیورسٹی ــــ کی صدارت میں ایک جلسہ ہوا۔ اس جلسے میں جناب پرنسپل مہادیو پرشاد صاحب اگروال نے طلبہ اور پروفیسروں کو خطاب کیا۔ پروفیسر شیخ فرید نے ہندی کے جید عالم جناب اگروال صاحب کی علمی و ادبی قابلیت اور اردو زبان و ادب سے ان کے قلبی لگاؤ، فطری شغف اور عمیق مطالعہ کا ذکر کرتے ہوئے بتلایا کہ موصوف کی مساعی جمیلہ سے اس قدیم تعلیمی ادارہ میں گزشتہ سال سے اردو میں ایم۔ اے کلاسز کا اجراء ہوا ہے۔ اس کے بعد جناب اگروال صاحب نے اردو میں نہایت بصیرت افروز تقریر فرمائی اور نہایت "حق گوئی و بیباکی" سے مسائل کا جائزہ لیا۔

موصوف نے اردو زبان و ادب کی تاریخ پر روشنی ڈالتے ہوئے اردو اور ہندی کے قدیم لسانی رشتوں اور خاندانی روابط کا ذکر کیا۔ آپ نے بتلایا کہ "اردو اور ہندی دونوں سگی بہنیں ہیں۔ اردو نے اپنی آرائش اور زینت عربی و عجمی زیورات سے کی اور ہندی نے ہندوستانی اسباب سے اپنے آپ کو سنوارا۔

فارسی کے تتبع میں اردو ادب کا جو معتدبہ حصہ اور قابل فخر سرمایہ ہے، اور بالخصوص عشقیہ شاعری۔ اس کے متعلق آپ نے عوام کی غلط فہمیوں کا ذکر کیا کہ "عموماً خیال کیا جاتا ہے کہ اردو ادب حسن و عشق کی داستان تک محدود ہے۔ وہ گل و بلبل اور شمع و پروانہ کے گرد گھومتا ہے"۔

اس اعتراض کی تردید میں آپ نے اردو شاعری میں عشق کی اہمیت و کیفیت اور اس کی معنوی وسعت کا ذکر کیا اور مختلف شعراء کے کلام سے اپنے بیان کی توضیح کی۔ آپ نے فلسفہ، اخلاقیات، تصوف، سیاست، عمرانیات وغیرہ موضوعات پر اردو شعراء کے کلام کے ذخیرہ سے چند اشعار پیش کئے۔ اردو ادب میں وطن پرستی اور قومیت کے متعلق قابل فخر سرمایہ کا ذکر کرتے ہوئے اسے "قومی یک جہتی کی بہترین مثال اور آلہ" قرار دیا۔

جناب اگروال صاحب نے اپنے خطبہ میں چند بڑی پتہ کی باتیں کہیں۔ آپ نے بتلایا کہ "زبان خواہ وہ کوئی زبان ہو کسی خاص فرقے یا مذہب کی زبان نہیں ہوتی"۔ اردو کی تہذیب، ارتقا، ترویج و اشاعت میں ہندوؤں کے حصہ کا ذکر کرتے ہوئے قدیم زمانہ سے عصر حاضر تک کے تمام ممتاز اہل قلم اور شعراء کا حوالہ دیا۔

اس امر پر آپ نے بار بار زور دیا کہ "ہندوؤں اور مسلمانوں نے مل کر اردو کو بنایا، سنوارا اور نکھارا ہے۔ یہ زبان ہندوستان کی زبان ہے اور اس پر ہر ہندوستانی کا پورا پورا حق ہے"۔

رسم الخط کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے نہایت مدلل طریقہ سے آگاہ کیا کہ "رسم الخط کی تبدیلی کسی بھی طرح مفید نہیں۔ اس تبدیلی سے زبان کا مزاج اور اسلوب مجروح ہو جائے گا"۔

اردو کے غیر ملکی سرمایہ پر طائرانہ نظر ڈالتے ہوئے آپ نے اردو اور ہندی کے ایک دوسرے پر اثرات کا ذکر کیا کہ اردو سے ہندی نے رباعی، غزل اور ترنم لیا اور اردو نے ہندی سے گیت اور ہندوستانی مزاج لیا۔ اردو کے ممتاز شاعر و نقاد فراق گورکھپوری کی "روپ" ۔ رباعیات کے مجموعہ کو ہندوستانی کلچر اور مزاج کا اردو میں بہترین نمونہ قرار دیا۔

آخر میں آپ نے فرمایا کہ "ہندی کو ہندی کی طرح اور اردو کو اردو کی طرح ترقی کرنا چاہیئے"۔ جلسے کے اختتام پر پروفیسر شرما نے معزز مہمان اور حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔ (ابو وفا سعید انصاری سکریٹری)

فارم IV

دیکھو رول ۸

اخبار ہماری زبان علی گڑھ

۱ـ مقام اشاعت	سلطان جہاں منزل علی گڑھ
۲ـ نوعیت اشاعت	ہفتہ وار
۳ـ نام پرنٹر	ضمیر الدین قریشی
قومیت	ہندوستانی
پتہ	مسلم ایجوکیشنل پریس محلہ اسرائیلان علی گڑھ
۴ـ نام پبلشر	نذیر حسن
قومیت	ہندوستانی
پتہ	انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ
۵ـ نام ایڈیٹر	پروفیسر آل احمد سرور
قومیت	ہندوستانی
پتہ	شبلی روڈ، علی گڑھ
۶ـ نام پتہ مالک اخبار	انجمن ترقی اردو ہند سلطان جہاں منزل علی گڑھ

میں نذیر حسن تصدیق کرتا ہوں کہ جو معلومات اوپر دی گئی ہیں وہ میرے علم و یقین میں صحیح ہیں۔

یکم مارچ ۱۹۶۳ء نذیر حسن

بقیہ نیشاپوری خاندان کے شعرا

انسان کی تخلیق اور اس کی زندگی کے مقاصد کو بھی موضوع شاعری بناتے ہیں اور خوب مضامین پیدا کرتے ہیں۔

مجموعۂ حقائق قدرت ہے آدمی
مطلب سمجھئے پیر خود اس کتاب کا

ترقی باوجودیکہ دُنیا کے حادثات سے بہت متاثر ہیں لیکن قنوطی بالکل نہیں، وہ ہر کام کے لئے کسی امید کا وجود بہر حال ضروری خیال کرتے ہیں۔

گر ایک شب بھی وصل کی لذت نہ پائے دل
پھر کس امید پہ کوئی تم سے لگائے دل

ان کے بعض اشعار ضرب المثل بھی ہو گئے ہیں مثلاً

دُنیا کے جو مزے ہیں ہرگز وہ کم نہ ہوں گے
چرچے یہی رہیں گے افسوس ہم نہ ہوں گے

ترقی کے صاحب زادہ حیدر کی صرف ایک غزل ہمارے سامنے ہے، حیدر چونکہ برق شاگرد ناسخ کے شاگرد تھے ان کے کلام میں لکھنوی شاعری کی اکثر خصوصیات ملتی ہیں وہ محبوب کے اعضاء بدن کو مرکز فکر و خیال بناتے ہیں، ایک شعر یہ ہے۔

نہ کبھی حور، نہ انسان، نہ پری نے دیکھیں
چشم بد دور، جو اس شوخ نے پائیں آنکھیں

حیدر اپنے استاد کی طرز میں غزل کہتے تھے اور اس پر فخر کرتے تھے کہ انھوں نے برق کا انداز سخن پایا تھا۔

برق کا طرز جو حیدر کے سخن نے پایا
اس سے محفل میں کسی نے نہ ملائیں آنکھیں

مقطع میں لفظ "طرز" مذکر نظم ہوا ہے، شعرائے دہلی اسے مؤنث باندھتے تھے۔ حیدر اور ترقی کے طرز کلام کا یہ فرق اُردو شاعری کے بدلتے ہوئے انداز کا مظہر ہے۔

عاشق خلف حیدر معنی آفرینی پر بہت زور دیتے ہیں صنائع لفظی کے استعمال سے انھیں خاص دل چسپی ہے بات میں بات پیدا کرنا اور ہر بات کے لئے دلائل فراہم کرنا ان کی شاعری کی خصوصیات میں ہے۔

اُمید نامہ نے لی جان آخر
مرا لکھنے کے قابل ماجرا ہے

اس لئے ہے ترے ابرو کا تصور دل میں
یہ نہ سمجھے کو ہو کعبہ تو ہے محراب کہاں

سلہ دل چسپ بات یہ ہے کہ ترقی کا یہ مطلع بہ تغیر معمولی سینما کے ایک گانے میں بھی شامل ہو گیا ہے۔

مجھ کو حیرت ہے عجب دریا ہے اس کوزے میں بند
اشک تھا آنکھوں میں جب ٹپکا سمندر بن گیا

شعرائے لکھنؤ کا دستور تھا کہ وہ محبوب کی ظاہری آرائش اس کے زیورات اور ملبوسات کی بہت مبالغہ آمیز تعریف کرتے تھے، عاشق بھی اس روایت پر قائم ہیں۔

رنگ دکھلاتا ہے پرتو روئے آتشناک کا (دکھلانا متروک ہے)
کیل سونے کی نظر آتا ہے تنکا ناک کا
کل تو تھی سونے کی بالی آج جو اُکی ہے نتھ
میرے مرنے سے بڑھایا اس نے زیور ناک کا

لکھنؤ کی تعریف میں ناسخ نے کئی غزلیں لکھی ہیں عاشق کا دیوان بھی اس سے خالی نہیں، انھیں بھی لکھنؤ سے محبت ہے۔ کہتے ہیں۔

پاؤں تھکتے ہی نہیں اس راہ میں
دل کھنچا جاتا ہے سوئے لکھنؤ

لکھنؤ کی مخصوص زبان استعمال کرتے ہیں۔ بعض بعض مصرعے ایسے کہہ دئے ہیں کہ ضرب المثل ہو کر رہ گئے۔

چور چوری سے گیا ہیرا پھیری سے گیا
دور سے دیکھو آتے ہیں جب سے چھلکا ہو گیا

رعایت لفظی کا شوق لکھنوی طرز شاعری کا خاصہ ہے عاشق کے یہاں بھی یہ شوق اس حد تک ہے کہ بعض اشعار تقریباً مہمل ہو جاتے ہیں۔ مثلاً

لڑائی وصل میں سونے پر لے پری ہو جائے
ہمارے آپ کے یہ جنگ زرگری ہو جائے

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ اُردو غزل کا مزاج کس قدر تیزی کے ساتھ بدل گیا، عشق کی داخلی کیفیات حسن واقعی کی کشش، تصوف کے خیالات، زندگی سے متعلق مفید مضامین وغیرہ اب کثیر نظم ہو رہے ہیں، ان نوابین کے زیر اثر جو شعرا رہے ان کے کلام میں بھی وہی خصوصیات پنپ سکتی تھیں جو ان کے کلام میں موجود تھیں کہ ان ہی باتوں سے انھیں دل چسپی تھی۔

شاخ انجمن رانچی کا اعلان

انجمن ترقی اُردو رانچی کی جانب سے ۲۲ر فروری ۷۰ء کو جو "یوم آزاد" منایا جانے والا تھا چند اہم وجوہات کی بنا پر اب اپریل کے مہینہ میں منایا جائے گا۔

تاریخ کا اعلان بہت جلد کر دیا جائے گا۔

(انور عابدی، انچارج نشر و اشاعت)

شنکر نگر میں عید ملاپ

انجمن ترقی اُردو شاخ بودھن کی طرف سے عید ملاپ کے سلسلے میں ۱۶ر فروری کو حاجی سید عبد المعین صاحب کے مکان واقع شنکر نگر میں ایک ادبی نشست جناب عبد الرشید صاحب رنگین کی صدارت میں ترتیب دی گئی۔ ساغر حیدر آبادی معتمد انجمن نے عید کی مبارک باد پیش کی۔ صدر الدین فرخ اور شاہد قادری نے اپنے افسانے سنائے۔ محفل شعر میں رنگین، منصف، ساغر، سالک، ظفر، خلیل، شاکر، شیدا، عادل اور عسکر نے حصہ لیا۔ اس کے بعد بیت بازی کا مقابلہ منعقد ہوا۔ یہ خوشگوار اور پُر مسرت ادبی محفل رات کے ڈیڑھ بجے ختم ہوئی۔

لندن یونیورسٹی میں اعلیٰ پیمانہ پر اُردو زبان کی ریسرچ

(بحوالہ اُموج حیدرآباد) حیدرآباد کے جواں سال افسانہ نگار و صحافی مسٹر نصیر اختر صدیقی نے لندن سے واپسی پر ایک خیر مقدمی جلسے میں انکشاف کیا کہ لندن یونیورسٹی کے آفریشیائی ادارہ میں اعلیٰ پیمانے پر اُردو زبان کی ریسرچ ہو رہی ہے اور ڈاکٹر عبادت بریلوی اور فیض احمد فیض کی نگرانی میں انگریز، یہودی اور آفریشیائی طلبا و طالبات اُردو کے قدیم شعرا پر اعلیٰ معیاری اور تحقیقی مقالے تیار کر رہے ہیں۔ لندن مجلس کی طرف سے انتہائی معیاری پیمانے پر شعر و شاعری کی محفلیں بھی منعقد ہوتی رہتی ہیں جس میں بڑی دلچسپی اور سرگرمی دکھائی دیتی ہے۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ انگلستان سے "مشرق" اور "[illegible]" دو اُردو ہفتہ وار شائع ہو رہے ہیں۔ اس کے علاوہ فیض احمد فیض بہت جلد ایک ماہنامہ [illegible] سے جاری کرنے کی تیاری کر رہے ہیں۔

نصیر اختر صدیقی کے خیر مقدمی جلسے کا انتظام "بزم سلکش" یونائٹیڈ لٹریری اینڈ کلچرل سوسائٹی عوامی ادبی سوسائٹی اور سوشیل ایجوکیشن سنٹر نے کیا تھا۔ جلسے کے بعد محفل شعر و سخن منعقد ہوئی۔

ریاست میسور میں چالیس لاکھ اُردو بولنے والے

(بحوالہ موج حیدرآباد) میسور اسٹیٹ انجمن اسلام بیجاپور کی ایک یادداشت کے مطابق ریاست میسور میں اُردو بولنے والوں کی تعداد چالیس لاکھ سے بھی زیادہ ہے۔ یادداشت کے جواب میں چیف منسٹر میسور نے ریاست کے اُردو بولنے والے علاقوں میں اُردو کو کنڑی کے برابر سرکاری اغراض کے لئے استعمال کرنے کی طرف عہدہ داروں کو متوجہ کرنے کا تیقن دلایا ہے اور اُردو کے تعلق سے حکومت کے تازہ فیصلے پر جلد عمل کرنے کا تیقن دلایا۔

محکمۂ اطلاعات و تعلقات عامہ آندھرا پردیش اور اُردو

(بحوالہ موج حیدرآباد) حکومت آندھرا پردیش نے اُردو کو دوسری علاقائی زبان کی حیثیت دی ہے۔

حیدرآباد کے لوگوں کی اکثریت اُردو زبان سے واقف ہے اور یہی زبان یہاں کی عام بول چال کی بھی ہے۔ لیکن بڑے تعجب کی بات ہے کہ محکمۂ اطلاعات کے اسٹال میں جو قومی، زراعی اور صنعتی تصاویر کی نمائش کی گئی ہے ان تصاویر کے نیچے تفصیلات صرف تلگو اور انگریزی میں ہیں۔

حیدرآباد کے بہت سے اُردو داں انگریزی اور تلگو سے ناواقف ہیں۔ اگر واقف بھی ہیں تو وہ اُردو کو جتنی اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں ان زبانوں کو نہیں۔

اسی طرح ریاست آندھرا پردیش کے دوسرے سرکاری اسٹالوں میں بھی اُردو غائب ہے۔ مرکزی محکمۂ اطلاعات کی جانب سے قائم کردہ اسٹال میں بھی اُردو میں کوئی تفصیلات موجود نہیں ہیں۔

مرتضیٰ پور میں مشاعرہ

مرتضیٰ پور (ضلع آکولہ) میں بزم اُردو ادب مرتضیٰ پور کی جانب سے "کل برار اُردو ہندی مشاعرہ" برار کے مشہور کہنہ مشق شاعر حضرت قیصر جیمروی کی صدارت میں ہوا۔

مشاعرے میں پروفیسر خلیل شارقی، پروفیسر شاہ الرحمٰن خاں منشا، بشیر احمد شہید ایم۔ اے، ابراہیم سبحل دریں، منصور کارنجوی، جوش، افسر، رونق، سرخاب، درد، فریق عارفی، طالب شادانی، حکیم شاد کے علاوہ برار کے تقریباً سبھی مشہور شعرا شریک تھے اور ہندی کے بھی مشہور کوی تھے۔ ناظم مشاعرہ کے فرائض جہانگیر جوہر نے انجام دئے اور یہ مشاعرہ رات کے ۱۰ بجے سے شروع ہو کر صبح ۴ بجے ختم ہوا۔

(جہانگیر جوہر سکریٹری بزم اُردو ادب)

قرآن کا قدیم ترین نسخہ

(بحوالہ نیشنل ہیرالڈ) بر طانوی عجائب گھر کو قرآن کا ایک قدیم ترین نسخہ دستیاب ہوا ہے۔ اس کے پہلے ورق کی پشت پر کتابت کی تاریخ ۱۲۳ھ مطابق ۷۴۰ء پڑی ہوئی ہے۔ استنبول یونیورسٹی کی لائبریری میں کوفی خط میں لکھا ہوا جو نسخہ ہے اس پر کتابت کی تاریخ ۲۶۲ھ لکھی ہوئی ہے۔ اب تک اسی کو سب سے قدیم نسخہ سمجھا جاتا تھا۔

ضیاء احمد بدایونی

تبصرے

عبقریت محمد

مترجمہ فروغ احمد

ملنے کا پتہ۔ ملک سراج الدین اینڈ سنز پبلشرز کشمیری بازار لاہور

قیمت ۔ ۱۰ روپے ۔

یہ کتاب مصر کے ایک اہل قلم عباس محمود العقاد کی عربی کتاب کا ترجمہ ہے۔ جس میں مصنف علام نے حضرت نبی عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مقدس زندگی کے چند پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے مثلاً آنحضرتؐ ایک داعیٔ حق ، ایک سیاسی ماہر ، ایک مہربان شوہر ، ایک شفیق باپ ، ایک عظیم انسان کی حیثیت سے۔ ہر باب ایک مختصر انشائیہ ہے جو اپنے مدلل اور پُر اثر انداز کے باعث دل میں اُترتا چلا جاتا ہے۔ اسی کے ساتھ ترجمہ اس قدر رواں اور شگفتہ ہے کہ ترجمہ نہیں معلوم ہوتا۔ شروع میں جناب پیام شاہجہاں پوری کے قلم سے ایک پُر مغز اور دل نشین تعارف ہے جس میں اعلیٰ عقائد کو پاکیزہ اسلوب میں پیش کیا گیا ہے۔ مذہب اور اُردو کی اس مفید خدمت پر ناشرین مستحق مبارک باد ہیں۔

اشرف المخلوقات

مصنفہ ڈاکٹر سید اختر احمد

ناشر۔ پالی اسٹڈی سرکل۔ ۴-۳۰۶۳۴-۲۲ پرانی حویلی ۔ حیدرآباد (اے پی)

قیمت ۔ ایک روپیہ پچاس پیسے ۔

مصنف سائنس کے طالب علم رہے ہیں تاہم وہ مذہبی اقدار پر غور و فکر کرنے کے عادی ہیں۔ اس سے پہلے ان کی دو تصنیفیں "خالق کائنات" اور "اسرار کائنات" شائع ہو چکی ہیں۔ موجودہ کتاب میں انھوں نے دین کی بنیادوں ۔ انسان کی فضیلت ۔ اشرف المخلوقات کے معیار ۔ توحید ۔ حقوق اللہ ۔ حقوق العباد پر بحث کی ہے اور بتایا ہے کہ انسان کن اصولوں پر چل کر دین و دُنیا میں کامیاب ہو سکتا ہے۔ موصوف نے اس امر پر زور دیا ہے کہ کتاب اللہ کے بعد حضرت رسول خدا اور ائمہ ہُدیٰ علیہم السلام کی پاک زندگیاں ہی ہمارے لئے صحیح راہ عمل ہو سکتی ہیں۔

انتخاب کلام رسا

یہ انتخاب جناب رسا کے اشعار کا ہے جو جیند گیلری گیتا بھون ۔ سی بلاک ۔ وارڈن روڈ ۔ بمبئی ۲۶ سے شائع ہوا ہے ۔ قیمت ۷۰ نئے پیسے ۔

مصنف در بھنگہ کے رہنے والے ہیں اور غزل سے خاص ذوق رکھتے ہیں ۔ کلام میں کوئی خاص بات نہیں ہے ہاں بعض شعر پُر لطف کہہ گئے ہیں ۔

مالک انجمن ترقی اُردو ہند علی گڑھ ، پبلشر و پرنٹر ضمیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپوا کر مرکزی انجمن ترقی اُردو ہند علی گڑھ سے شائع کیا